

Tafheemul Quran  
in Colors  
Arabic Urdu  
081 At Takweer  
Syed Abul Aala Maududi  
Evergreen Islamic Center

التَّكْوِيرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

نام

پہلی ہی آیت کے لفظ کُوْرَتْ سے ماخوذ ہے۔ کُوْرَتْ تکویر سے صیغہ ماضی مجہول ہے جس کے معنی میں لپیٹی گئی۔ اس نام سے مراد یہ ہے کہ وہ سورت جس میں لپیٹنے کا ذکر آیا ہے۔

زمانہ نزول

مضمون اور انداز بیان سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔

موضوع اور مضمون

اس کے دو موضوع ہیں ایک آخرت اور دوسرا رسالت۔

پہلی چھ آیتوں میں قیامت کے پہلے مرحلے کا ذکر کیا گیا ہے جب سورج بے نور ہو جائے گا، ستارے بکھر جائیں گے، پہاڑ زمین سے اکھڑ کر اڑنے لگیں گے، لوگوں کو اپنی عزیز ترین چیزوں تک کا ہوش نہ رہے گا، جنگلوں کے جانور بدحواس ہو کر اکٹھے ہو جائیں گے اور سمندر بھرک اٹھیں گے۔ پھر سات آیتوں میں دوسرے مرحلے کا ذکر ہے جب روہیں از سر نو جسموں کے ساتھ جوڑ دی جائیں گی، نامہ اعمال کھولے جائیں گے، جرائم کی باز پرس ہوگی، آسمان کے سارے پردے ہٹ جائیں گے اور دوزخ جنت سب چیزیں نگاہوں کے سامنے عیاں ہو جائیں گی۔ آخرت کا یہ سارا نقشہ بیان کرنے کے بعد یہ کہہ کر انسان کو سوچنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے کہ اس وقت ہر شخص کو خود معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

اس کے بعد رسالت کا مضمون دیا گیا ہے۔ اس میں اہل مکہ سے کہا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں وہ کسی دیوانے کی بڑ نہیں ہے، نہ کسی شیطان کا ڈالا ہوا دوسوہ ہے، بلکہ خدا کے بھیجے ہوئے ایک بزرگ، عالی مقام اور امانت دار پیغامبر کا بیان ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلے آسمان کے افق پر دن کی روشنی میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس تعلیم سے منہ موڑ کر آخر تم کدھر چلے جا رہے ہو؟

اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1- جب سورج لپیٹ دیا جائے۔<sup>1</sup>

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ<sup>لاص</sup>

1\* سورج کے بے نور کر دیے جانے کے لیے یہ ایک بے نظیر استعارہ ہے۔ عربی زبان میں تکویر کے معنی لپیٹنے کے ہیں۔ سر پر عامہ باندھنے کے لیے تکویر العامہ کے الفاظ بولے جاتے ہیں کیونکہ عامہ پھیلا ہوا ہوتا ہے اور پھر سر کے گرد اسے لپیٹا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اُس روشنی کو جو سورج سے نکل کر سارے نظام شمسی میں پھیلتی ہے عامہ سے تشبیہ دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز یہ پھیلا ہوا عامہ سورج پر لپیٹ دیا جائے گا، اس کی روشنی کا پھیلنا بند ہو جائے گا۔

وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ<sup>لاص</sup> ﴿٢﴾

2- اور جب ستارے بے نور ہو جائیں۔\*2

\*2 یعنی وہ بندش جس نے اُن کو اپنے مدار اور مقام پر باندھ رکھا ہے، کھل جائے گی اور سب تارے سیارے کائنات میں منتشر ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ انکدار میں کدورت کا مفہوم بھی شامل ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف منتشر ہی نہیں ہوں گے بلکہ تاریک بھی ہو جائیں گے۔

وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ<sup>لاص</sup> ﴿٣﴾

3- اور جب پہاڑ چلائے جائیں۔\*3

\*3 دوسرے الفاظ میں زمین کی وہ کشت بھی ختم ہو جائے گی جس کی بدولت پہاڑوں میں اور جمے ہوئے ہیں۔ پس جب وہ باقی نہ رہے گی تو سارے پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے اور بے وزن ہو کر زمین پر اس طرح چلنے لگیں گے جیسے فضا میں بادل چلتے ہیں۔

وَإِذَا الْعِشَاءُ عُطِّلَتْ<sup>لاص</sup> ﴿٤﴾

4- اور جب حاملہ اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں۔\*4

\*4 عربوں کو قیامت کی سختی کا تصور دلانے کے لیے یہ بہترین طرز بیان تھا۔ موجودہ زمانے کے ٹرک اور بسیں چلنے سے پہلے اہل عرب کے لیے اُس اونٹنی سے زیادہ قیمتی مال اور کوئی نہ تھا جو بچہ جننے کے قریب ہو۔ اس حالت میں اس کی بہت زیادہ حفاظت اور دیکھ بھال کی جاتی تھی تاکہ وہ کھو نہ جائے، کوئی اسے چرانہ لے، یا اور کسی طرح وہ ضائع نہ ہو جائے۔ ایسی اونٹنیوں سے لوگوں کا غافل ہو جانا گویا یہ معنی رکھتا تھا کہ اُس وقت کچھ ایسی سخت افتاد لوگوں پر پڑے گی کہ انہیں اپنے اس عزیز ترین مال کی حفاظت کا بھی ہوش نہ رہے گا۔

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ<sup>لاص</sup> ﴿٥﴾

5- اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں۔\*5

\*5 دنیا میں جب کوئی عام مصیبت کا موقع آتا ہے تو ہر قسم کے جانور بھاگ کر ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اُس وقت نہ سانپ ڈستا ہے، نہ شیر پھاڑتا ہے۔

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ<sup>لاص</sup> ﴿٦﴾

6- اور جب سمندر آگ ہو جائیں۔\*6

\*6 اصل میں لفظ سُجِّرَتْ استعمال کیا گیا ہے جو تسخیر سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ تسخیر عربی زبان میں تنور



کے اندر آگ دہکانے کے لیے بولا جاتا ہے۔ بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ قیامت کے روز سمندروں میں آگ بھڑک اٹھے گی۔ لیکن اگر پانی کی حقیقت لوگوں کی نگاہ میں ہو تو اس میں کوئی بھی چیز قابل تعجب محسوس نہ ہوگی۔ یہ سراسر اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے کہ اس نے آکسیجن اور ہائیڈروجن، دو ایسی گیسوں کو باہم ملایا جن میں سے ایک آگ بھڑکانے والی اور دوسری بھڑک اٹھنے والی ہے، اور ان دونوں کی ترکیب سے پانی جیسا مادہ پیدا کیا جو آگ بجھانے والا ہے۔ اللہ کی قدرت کا ایک اشارہ اس بات کے لیے بالکل کافی ہے کہ وہ پانی کی اس ترکیب کو بدل ڈالے اور یہ دونوں گیسیں ایک دوسرے سے الگ ہو کر بھڑکنے اور بھڑکانے میں مشغول ہو جائیں جو ان کی اصل بنیادی خاصیت ہے۔

7- اور جب <sup>\*7</sup> روہیں ملا دی جائیں (جسموں سے)۔ <sup>\*8</sup>

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ <sup>لص</sup>

\*7 یہاں سے قیامت کے دوسرے مرحلے کا ذکر شروع ہوتا ہے۔  
\*8 یعنی انسان از سر نو اسی طرح زندہ کیے جائیں گے جس طرح وہ دنیا میں مرنے سے پہلے جسم و روح کے ساتھ زندہ تھے۔

8- اور جب زندہ دفنا دی گئی بچی سے پوچھا جائے۔

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ <sup>لص</sup>

9- کس گناہ پر وہ قتل کر دی گئی۔ <sup>\*9</sup>

بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ <sup>ج</sup>

\*9 اس آیت کے انداز بیان میں ایسی شدید غضبناکی پائی جاتی ہے جس سے زیادہ سخت غضبناکی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ بیٹی کو زندہ گاڑنے والے ماں باپ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایسے قابل نفرت ہوں گے کہ ان کو مخاطب کر کے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تم نے اس معصوم کو کیوں قتل کیا، بلکہ ان سے نگاہ پھیر کر معصوم بچی سے پوچھا جائے گا کہ تو بے چاری آخر کس قصور میں ماری گئی، اور وہ اپنی داستان سنائے گی کہ ظالم ماں باپ نے اس کے ساتھ کیا ظلم کیا اور کس طرح اسے زندہ دفن کر دیا۔ اس کے علاوہ اس مختصر سی آیت میں دو

بہت بڑے مضمون سمیٹ دیے گئے ہیں جو الفاظ میں بیان کیے بغیر خود بخود اس کے خطاب سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں اہل عرب کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ جاہلیت نے ان کو اخلاقی پستی کی کس انتہا پر پہنچا دیا ہے کہ وہ اپنی ہی اولاد کو اپنے ہاتھوں زندہ درگور کرتے ہیں، پھر بھی انہیں اصرار ہے کہ اپنی اسی جاہلیت پر قائم رہیں گے اور اس اصلاح کو قبول نہ کریں گے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بگڑے ہوئے معاشرے میں کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس میں آخرت کے ضروری ہونے کی ایک صریح دلیل پیش کی گئی ہے۔ جس لڑکی کو زندہ دفن کر دیا گیا، آخر اس کی کہیں تو دادرسی ہونی چاہیے، اور جن ظالموں نے یہ ظلم کیا، آخر کبھی تو وہ وقت آنا چاہیے جب ان سے اس بے دردانہ ظلم کی باز پرس کی جائے۔ دفن ہونے والی لڑکی کی فریاد دنیا میں تو کوئی سننے والا نہ تھا۔ جاہلیت کے معاشرے میں اس فعل کو بالکل جائز کر رکھا گیا تھا۔ نہ ماں باپ کو اس پر کوئی شرم آتی تھی۔ نہ خاندان میں کوئی ان کو ملامت کرنے والا تھا۔ نہ معاشرے میں کوئی اس پر گرفت کرنے والا تھا۔ پھر کیا خدا کی غدائی میں یہ ظلم عظیم بالکل ہی بے دادرہ جانا چاہیے؟ عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا یہ بے رحمانہ طریقہ قدیم زمانے میں مختلف وجوہ سے رائج ہو گیا تھا۔ ایک، معاشی خسرتے حالی جس کی وجہ سے لوگ چاہتے تھے کہ کھانے والے کم ہوں اور اولاد کو پالنے پوسنے کا بار اُن پر نہ پڑے۔ بیٹیوں کو تو اس امید پر پال لیا جاتا تھا کہ بعد میں وہ حصول معیشت میں ہاتھ بٹائیں گے، مگر بیٹیوں کو اس لیے ہلاک کر دیا جاتا تھا کہ انہیں جوان ہونے تک پالنا پڑے گا اور پھر انہیں بیاہ دینا ہو گا۔ دوسرے، عام بد امنی جس کی وجہ سے بیٹیوں کو اس لیے پالا جاتا تھا کہ جس کے جتنے زیادہ بیٹے ہوں گے اس کے اتنے ہی حامی و مددگار ہوں گے، مگر بیٹیوں کو اس لیے ہلاک کر دیا جاتا تھا کہ قبائلی لڑائیوں میں الٹی ان کی حفاظت کرنی پڑتی تھی اور دفاع میں وہ کسی کام نہ آسکتی تھیں۔ تیسرے عام بد امنی کا ایک شاخسانہ یہ بھی تھا کہ دشمن قبیلے جب ایک دوسرے پر اچانک چھاپے مارتے تھے تو جو لڑکیاں بھی ان کے ہاتھ لگتی تھیں انہیں لے جا کر وہ یا تو لونڈیاں بنا کر رکھتے تھے یا کہیں بیچ ڈالتے تھے۔ ان وجوہ سے عرب میں یہ طریقہ چل پڑا تھا کہ کبھی تو زہلگی کے وقت ہی عورت کے آگے گڑھا کھود رکھا جاتا تھا کہ اگر لڑکی پیدا ہو تو اسی وقت اسے گڑھے میں پھینک کر مٹی ڈال دی جائے۔ اور کبھی اگر ماں اس پر راضی نہ ہوتی یا اس کے خاندان والے اس

میں مانع ہوتے تو باپ بادلِ ناخواستہ اسے کچھ مدت تک پالتا اور پھر کسی وقت صحرا میں لے جا کر زندہ دفن کر دیتا۔ اس معاملہ میں جو شقاوت برتی جاتی تھی اس کا قصہ ایک شخص نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ بیان کیا۔ سنن دارمی کے پہلے ہی باب میں یہ حدیث منقول ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے اپنے عہد جاہلیت کا یہ واقعہ بیان کیا کہ میری ایک بیٹی تھی جو مجھ سے بہت مانوس تھی۔ جب میں اس کو پکارتا تو دوڑی دوڑی میرے پاس آتی تھی۔ ایک روز میں نے اس کو بلایا اور اپنے ساتھ لے کر چل پڑا۔ راستہ میں ایک کنواں آیا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کنویں میں دھکا دے دیا۔ آخری آواز جو اس کی میرے کانوں میں آئی وہ تھی ہائے ابا۔ ہائے ابا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رو دیئے اور آپ کے آسو بہنے لگے۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا اے شخص تو نے حضورؐ کو غمگین کر دیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اسے مت روکو، جس چیز کا اسے سخت احساس ہے اُس کے بارے میں اسے سوال کرنے دو۔ پھر آپ نے اس سے فرمایا کہ اپنا قصہ پھر بیان کر۔ اس نے دوبارہ اسے بیان کیا اور آپ سن کر اس قدر رونے لگے کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جاہلیت میں جو کچھ ہو گیا اللہ نے اسے معاف کر دیا، اب نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کر۔ یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ اہل عرب اس انتہائی غیر انسانی فعل کی قباحت کا سرے سے کوئی احساس ہی نہ رکھتے تھے۔ ظاہر بات ہے کہ کوئی معاشرہ خواہ کتنا ہی بگڑ چکا ہو، وہ ایسے ظالمانہ افعال کی برائی کے احساس سے بالکل خالی نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے قرآن پاک میں اس فعل کی قباحت پر کوئی لمبی چوڑی تقریر نہیں کی گئی ہے، بلکہ رونگٹے کھڑے کر دینے والے الفاظ میں صرف اتنی بات کہہ کر چھوڑ دیا گیا ہے کہ ایک وقت آنے گا۔ جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ تو کس قصور میں ماری گئی۔ عرب کی تاریخ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو زمانہ جاہلیت میں اس رسم کی قباحت کا احساس تھا۔ طبرانی کی روایت ہے کہ فَرَزُوقُ شاعر کے دادا صَعَصَعَةُ بنِ نَاجِيْتَةَ الْمُجَاشِعِي نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ، میں نے جاہلیت کے زمانے میں جو کچھ اچھے اعمال بھی کیے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے ۳۶۰ لڑکیوں کو زندہ دفن ہونے سے بچا لیا اور ہر ایک کی جان بچانے کے لیے دو دو اونٹ فدیے میں دیے۔ کیا مجھے اس پر اجر ملے گا؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں تیرے



لیے اجر ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے تجھے اسلام کی نعمت عطا فرمائی۔ درحقیقت یہ اسلام کی برکتوں میں سے ایک بڑی برکت ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ عرب سے اس انتہائی سنگدلانہ رسم کا خاتمہ کیا، بلکہ اس خیال کو مٹایا کہ بیٹی کی پیدائش کوئی حادثہ اور مصیبت ہے جسے بادلِ ناخواستہ برداشت کیا جائے۔ اس کے برعکس اسلام نے یہ تعلیم دی کہ بیٹیوں کی پرورش کرنا، انہیں عمدہ تعلیم و تربیت دینا اور انہیں اس قابل بنانا کہ وہ ایک اچھی گھر والی بن سکیں، بہت بڑا نیکی کا کام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں لڑکیوں کے متعلق لوگوں کے عام تصور کو جس طرح بدلا ہے اس کا اندازہ آپ کے ان بہت سے ارشادات سے ہو سکتا ہے جو احادیث میں منقول ہیں۔ مثال کے طور پر ذیل میں ہم آپ کے چند ارشادات نقل کرتے ہیں: مَنِ ابْتَلَىٰ مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَحَسَنَ الْيَهْنُ كَنْ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ۔ (بخاری - مسلم) جو شخص ان لڑکیوں کی پیدائش سے آزمائش میں ڈالا جائے اور پھر وہ ان سے نیک سلوک کرے تو یہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بنیں گی۔ مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّىٰ تَبْلُغَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَا وَهَكَذَا وَضِعَ اَصَابِعُهُ (مسلم) جس نے دو لڑکیوں کو پرورش کیا یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں تو قیامت کے روز میرے ساتھ وہ اس طرح آنے گا، یہ فرما کر حضور نے اپنی انگلیوں کو جوڑ کر بتایا۔

مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ اَوْ مِثْلَهُنَّ مِنْ الْاَخْوَاتِ فَادَّبَهُنَّ وَرَحِمَهُنَّ حَتَّىٰ يَغِيْهِنَّ اللّٰهُ اَوْ جَبَّ اللّٰهُ لَهٗ الْجَنَّةَ۔ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْ اِثْنَتَيْنِ اَوْ اِثْنَتَيْنِ حَتَّىٰ لَوْ قَالُوْا اَوْ وَاٰحِدَهُ لِقَالَ وَاٰحِدَةً۔ (شرح السنہ) جس شخص نے تین بیٹیوں، یا بہنوں کو پرورش کیا، ان کو اچھا ادب سکھایا اور ان سے شفقت کا برتاؤ کیا یہاں تک کہ وہ اس کی مدد کی محتاج نہ رہیں تو اللہ اس کے لیے جنت واجب کر دیگا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اور دو۔ حضور نے فرمایا اور دو بھی۔ حدیث کے راوی ابن عباس کہتے ہیں کہ اگر لوگ اس وقت ایک کے متعلق پوچھتے تو حضور اس کے بارے میں بھی یہی فرماتے۔ مَنْ كَانَتْ لَهٗ اَنْثَىٰ فَلَمْ يَعُدْهَا وَلَمْ يَهْنُهَا وَلَمْ يُوْثِرْ وَلَدَهَا عَلَيْهَا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ۔ (ابوداؤد) جس کے ہاں لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ ذلیل کر کے رکھے، نہ بیٹے کو اس پر ترجیح دے اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

من كان له ثلاث بنات و صبر عليهن و كساهن من جدته كن له حجاباً بمن النار (بخاری فی الادب المفرد۔ ابن ماجہ) جس کے ہاں تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے اور اپنی وسعت کے مطابق ان کو اچھے کپڑے پہنائے وہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بنیں گی۔

ما من مسلم تدركه ابنتان فيحسن صحبتتهما الا دخلتاها الجنة۔ (بخاری، ادب المفرد) جس مسلمان کے ہاں دو بیٹیاں ہوں اور وہ ان کو اچھی طرح رکھے وہ اسے جنت میں پہنچائیں گی۔

ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لسراقه بن جعثم الا ادلك على اعظم الصدقه او من اعظم الصدقه قال بلى يا رسول الله قال ابنتك المرودة اليك ليس لها كاسب غيرك۔ (ابن ماجہ۔ بخاری فی الادب المفرد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن جعثم سے فرمایا میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بڑا صدقہ (یا فرمایا بڑے صدقوں میں سے ایک) کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ضرور بتائیے یا رسول اللہ۔ فرمایا تیری وہ بیٹی جو (طلاق پا کر یا بیوہ ہو کر) تیری طرف پلٹ آئے اور تیرے سوا کوئی اس کے لیے کمانے والا نہ ہو۔

یہی وہ تعلیم ہے جس نے لڑکیوں کے متعلق لوگوں کا نقطہ نظر صرف عرب ہی میں نہیں بلکہ دنیا کی ان تمام قوموں میں بدل دیا جو اسلام کی نعمت سے فیض یاب ہوتی چلی گئیں۔

10- اور جب دفتر کھولے جائیں۔

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ <sup>لاص</sup> ١٠

11- اور جب آسمان کا پردہ ہٹا دیا جائے۔ <sup>\*10</sup>

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ <sup>لاص</sup> ١١

10\* یعنی جو کچھ اب نگاہوں سے پوشیدہ ہے وہ سب عیاں ہو جائے گا۔ اب تو صرف خلا نظر آتا ہے یا پھر بادل، گرد و غبار، چاند، سورج اور تارے۔ لیکن اُس وقت خدا کی خدائی اپنی اصل حقیقت کے ساتھ سب کے سامنے بے پردہ ہو جائے گی۔

12- اور جب جہنم بھڑکانی جائے۔

وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِرَتْ <sup>لاص</sup> ١٢

13- اور جب بہشت قریب لائی جائے۔ <sup>\*11</sup>

وَإِذَا الْجَنَّةُ أُرِلَتْ <sup>لاص</sup> ١٣



**11\*** یعنی میدان حشر میں لوگوں کے مقدمات کی سماعت ہو رہی ہوگی اُس وقت جہنم کی دھکتی ہوئی آگ بھی سب کو نظر آرہی ہوگی اور جنت بھی اپنی ساری نعمتوں کے ساتھ سب کے سامنے موجود ہوگی تاکہ بد بھی جان لیں کہ وہ کس چیز سے محروم ہو کر کہاں جانے والے ہیں، اور نیک بھی جان لیں کہ وہ کس چیز سے بچ کر کن نعمتوں سے سرفراز ہونے والے ہیں۔

**14- جان لے گا ہر شخص کیا وہ لیکر آیا۔**

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ<sup>ط</sup>

**15- نہیں پس 12\* - میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کی جو پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔**

فَلَا أَقْسِمُ بِالْحُنَّسِ<sup>ل</sup>

**12\*** یعنی تم لوگوں کا یہ گمان صحیح نہیں ہے کہ یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جا رہا ہے یہ کسی دیوانے کی بڑبڑ ہے یا کوئی شیطانی وسوسہ ہے۔

**16- جو چلتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں۔**

الْجَوَارِ الْكُنَّسِ<sup>م</sup>

**17- اور رات جب وہ رخصت ہوتی ہے۔**

وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ<sup>ن</sup>

**18- اور صبح جب وہ سانس لیتی ہے۔ 13\***

وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ<sup>و</sup>

**13\*** یہ قسم جس بات پر کھائی گئی ہے وہ آگے کی آیات میں بیان کی گئی ہے۔ مطلب اس قسم کا یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریکی میں کوئی خواب نہیں دیکھا ہے بلکہ جب تارے چھپ گئے تھے، رات رخصت ہو گئی تھی اور صبح روشن نمودار ہو گئی تھی، اُس وقت کھلے آسمان پر انہوں نے خدا کے فرشتے کو دیکھا تھا۔ اس لیے وہ جو کچھ بیان کر رہے ہیں وہ اُن کے آنکھوں دیکھے مشاہدے اور پورے ہوش حواس کے ساتھ دن کی روشنی میں پیش آنے والے تجربے پر مبنی ہے۔

**19- بیشک یہ کلام (قرآن) ہے (لایا ہوا) عالی**

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ<sup>ز</sup>

**14\*** اس مقام پر بزرگ پیغامبر (رسول کریم) سے مراد وحی لانے والا فرشتہ ہے جیسا کہ آگے کی آیات سے بصراحت معلوم ہو رہا ہے۔ اور قرآن کے پیغامبر کا قول کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ اس فرشتے کا اپنا کلام ہے، بلکہ ”قول پیغامبر“ کے الفاظ خود ہی یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ اس ہستی کا کلام ہے جس نے اسے پیغامبر بنا کر بھیجا ہے۔ سورہ الحاقہ آیت ۴۰ میں اسی طرح قرآن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہا گیا ہے اور وہاں بھی مراد یہ نہیں ہے کہ یہ حضور کا اپنا تصنیف کردہ ہے بلکہ اسے ”رسول کریم“ کا قول کہہ کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ اس چیز کو حضور خدا کے رسول کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں نہ کہ محمد بن عبد اللہ کی حیثیت سے دونوں جگہ قول کو فرشتے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب اس بنا پر کیا گیا ہے کہ اللہ کا پیغام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیغام لانے والے فرشتے کی زبان سے، اور لوگوں کے سامنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہو رہا تھا (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو، تفہیم القرآن، جلد ششم، الحاقہ، حاشیہ ۲۲)۔

**20- صاحب قوت۔ مالک عرش کے نزدیک**  
بلند مرتبہ۔\*15

ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾

**15\*** سورہ نجم آیات ۴-۵ میں اسی مضمون کو یوں ادا کیا گیا ہے کہ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ... عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ... ”یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے، اس زبردست قوتوں والے نے تعلیم دی ہے۔“ یہ بات درحقیقت متشابہات میں سے ہے کہ جبریل علیہ السلام کی ان زبردست قوتوں اور ان کی اس عظیم توانائی سے کیا مراد ہے۔ بہر حال اس سے اتنی بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ فرشتوں میں بھی وہ اپنی غیر معمولی طاقتوں کے اعتبار سے ممتاز ہیں۔ مسلم، کتاب الایمان میں حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کرتی ہیں کہ میں نے دو مرتبہ جبریل کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے، ان کی عظیم ہستی زمین و آسمان کے درمیان ساری فضا پر چھائی ہوئی تھی۔ بخاری، مسلم، ترمذی، اور مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس شان میں دیکھا کہ ان کے چھ سو

پرتھے۔ اس سے کچھ ان کی زبردست طاقت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

21- اسکی اطاعت کی جاتی ہے <sup>\*16</sup> اور امانتدار ہے۔ <sup>\*17</sup>

مُطَاعِ ثَمَّ أَمِينٍ <sup>ط</sup>

<sup>\*16</sup> یعنی وہ فرشتوں کا افسر ہے۔ تمام فرشتے اُس کے حکم کے تحت کام کرتے ہیں۔

<sup>\*17</sup> یعنی وہ اپنی طرف سے کوئی بات خدا کی وحی میں ملا دینے والا نہیں ہے، بلکہ ایسا امانت دار ہے کہ جو کچھ خدا کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے اُسے جوں کا توں پہنچا دیتا ہے۔

22- اور نہیں ہے تمہارا رفیق (پیغمبر ﷺ) دیوانہ۔ <sup>\*18</sup>

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ <sup>ج</sup>

<sup>\*18</sup> رفیق سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں، اور آپ کو اہل مکہ کا رفیق کہہ کر دراصل انہیں اس بات کا احساس دلایا گیا ہے کہ آپ اُن کے لیے کوئی اجنبی شخص نہیں ہیں، بلکہ انہی کے ہم قوم اور ہم قبیلہ ہیں۔ انہی کے درمیان ایسے شخص کو جانتے بوجھتے مجنون کہتے ہوئے انہیں کچھ تو شرم آنی چاہیے (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو، تفہیم القرآن، جلد پنجم، النجم، حواشی ۲-۳)۔

23- اور بیشک اس نے دیکھا ہے اس (فرشتے) کو کھلے افق پر۔ <sup>\*19</sup>

وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ <sup>ع</sup>

<sup>\*19</sup> سورہ نجم آیات ۹ تا ۱۱ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشاہدے کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو، تفہیم القرآن، جلد پنجم، النجم، حواشی ۷-۸)۔

24- اور نہیں ہے وہ (ظاہر کرنے میں) غیب کی باتوں کو بخیل۔ <sup>\*20</sup>

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ <sup>ع</sup>

<sup>\*20</sup> یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے کوئی بات چھپا کر نہیں رکھتے۔ غیب کے جو حقائق بھی اللہ



تعالیٰ کی طرف سے ان پر کھولے گئے ہیں، خواہ وہ اللہ کی ذات و صفات کے بارے میں ہوں، یا فرشتوں کے بارے میں، یا زندگی بعد موت اور قیامت اور آخرت اور جنت اور دوزخ کے بارے میں، سب کچھ تمہارے سامنے بے کم و کاست بیان کر دیتے ہیں۔

25- اور نہیں ہے یہ کلام شیطان مردود کا۔\*21

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿٢٥﴾

21\* یعنی تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ کوئی شیطان آکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں یہ باتیں پھونک دیتا ہے۔ شیطان کا آخری کام کب ہو سکتا ہے کہ انسان کو شرک اور بت پرستی اور دہریت و الحاد سے ہٹا کر خدا پرستی اور توحید کی تعلیم دے۔ انسان کو شتر بے مہار بن کر رہنے کے بجائے خدا کے حضور ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس دلانے۔ جاہلانہ رسموں اور ظلم اور بد اخلاقی اور بد کرداری سے منع کر کے پاکیزہ زندگی، عدل اور تقویٰ اور اخلاقِ فاضلہ کی طرف رہنمائی کرے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد سوم، الشعراء، آیات ۲۱۰-۲۱۲ تا ۲۳۰ مع حواشی ۱۳۰ تا ۱۳۳، اور آیات ۲۲۱ تا ۲۲۳ مع حواشی ۱۴۰ تا ۱۴۱)۔

26- پھر کہہ تم چلے جا رہے ہو۔

فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿٢٦﴾

27- نہیں ہے یہ مگر نصیحت تمام اہل جہاں کے لئے۔

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٢٧﴾

28- ہر اس کے لئے جو چاہے تم میں سے سیدھی راہ چلنا۔\*22

لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ﴿٢٨﴾

22\* بالفاظِ دیگر یہ کلام نصیحت ہے تو ساری نوعِ انسانی کے لیے مگر اس سے فائدہ وہی شخص اٹھا سکتا ہے جو خود راست روی اختیار کرنا چاہتا ہو۔ انسان کا طالبِ حق اور راستی پسند ہونا اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے شرطِ اول ہے۔

29- اور نہ چاہو گے تم مگر یہ کہ چاہے اللہ رب

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ

\*23 یہ مضمون اس سے پہلے سورہ مدثر آیت ۵۶، اور سورہ دھر آیت ۳۰ میں گزر چکا ہے۔ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد ششم، المدثر، حاشیہ ۴۱۔

